OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.11 Issue 12 December 2022

اسلامی روحانیت اور جدید غیر مذہبی روحانیت کا تقابلی مطالعہ

A COMPARISON OF ISLAMIC SPIRITUALITY AND MODERN RELIGION-LESS SPIRITUALITY

Dr. Mumtaz-ul-Hassan
Assistant Professor, Department of Islamic Studies & Shariah, The Minhaj University, Lahore.

Syed Sajjad Haider
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

Muhammad Abu Bakar
Librarian, Farid-e-Millat Research Institute, Lahore.

Abstract: In every society, the concept of spirituality has existed. Either old religions or modern school of thoughts, both of these have specific points of views and practices regarding this. The Act of Spirituality and self's purification has centered place in Islamic teachings like other religions In Islamic Religion seeking spirituality is not just for spiritual and mental satisfaction but its main purpose to attain God's will and access to him. In contrast, according to modern religion-less thought, the goal of spirituality is only the attainment of spiritual satisfaction. Nowadays many atheists try to give the impression that a person can become a good Sufi, monk, ascetic or yogi without following a particular religion. This modern conception of spirituality has created a new form of skepticism in the semi-religious classes. This situation is a product of postmodernist ideas aimed at refuting religious ideologies and promoting anti-religion ideologies. This analytical method of research will shed light on the fact that the foundations of

modern atheistic spiritual theories are invalid and the religious concepts for the attainment of spirituality are based on reality and certainty.

Keywords:- Abrahamic Religions, Postmodernist ideas, Skepticism.

روحانیت کا تصور ہر معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ قدیم مذاہب ہوں یا جدید مکاتب فکر، ہر دو اس ضمن مخصوص نقطہائے نظر رکھتے ہیں۔ اسلام میں روحانیت و تزکیہ نفس کے عمل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں حصول روحانیت کا منتہائے مقصد فقط روحانی تسکین نہیں، بلکہ خالق حقیقی کی خوشنودی و رضا کا حصول اور اس تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اسکے بر عکس جدید الحادی افکار کے مطابق روحانیت کا مقصد فقط روحانی تسکین کی ہی بر آوری ہے۔ عہد حاضر میں کئی لادین یا سیکولر مزاج لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک شخص کسی خاص مذہب کی پیروی کیے بغیر ایک اچھا صوفی، راہب، سادھو یا جوگی بن سکتا ہے۔ روحانیت کے اس جدید تصور نے نیم مذہبی یا سادہ لوح طبقہ میں تشکیک کی ایک نئی صورت پیدا کر دی ہے۔ یہ موقف مابعد جدیدیتی افکار کی پیداوار ہے جس کا مقصد مذہبی نظریات کی تردید اور سیکولر نظریات کی ترویج و تائید ہے۔ اس تجزیاتی طریقہ تحقیق میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی جائی گی کہ جدید سیکولر روحانی نظریات کی بنیادیں کس قدر کمزور ہیں اور حصول روحانیت کے لیے مذہبی تصورات کتنے واقعیت اور قطعیت پر مبنی ہیں۔

روحانیت کا مفہوم

روحانیت کا لفظ روح سے اخذ کیا گیا ہے روح کے لغوی معنی جان، پھونک، سکون اور لطافت کے ہیں۔[1]

وکی پیڈیا کے مطابق روحانیت کی تعریف اس طرح ہے:

The traditional meaning of spirituality is a process of re-formation which "aims to recover the original shape of man, the image of God. Houtman and Aupers suggest that modern spirituality is a blend of humanistic psychology, mystical and esoteric traditions, and Eastern religions.[2]

روایتی معنی میں روحانیت تشکیل نو کا ایک عمل ہے جس کا مقصد "انسان کی اصل صورت اور تصور خدا کی بازیافت ہے۔ ہوٹ مین اور اوپرز تجویز کرتے ہیں کہ جدید روحانیت انسان دوستی نفسیات، صوفیانہ باطنی روایات اور مشرقی مذاہب کا ایک مرکب ہے۔

کیمبرج ڈکشنری میں روحانیت کی تعریف اس طرح درج ہے:

The quality that involves deep feelings and beliefs of a religious nature, rather than the physical of life[3] .

وہ خصوصیت جس میں مادی زندگی کے بجائے مذہبی نوعیت کے گہرے احساسات اور اعتقادات شامل ہیں۔

مندرجہ بالا تعریفات سے روحانیت کو جو جامع تعریف اخذ ہوسکتی ہے۔وہ کچھ یوں ہے:

روحانیت سے مراد وہ غیر مادی اور ماورائے عقل ذریعہ ءِ معرفت ہے جس کے ذریعے داخلی اور خارجی طور پر اصل شخصیت کو جاننا، اپنے خالق کی پہچان حاصل کرنا اور اس علم کی بنیاد پر نفس کا تزکیہ کرنا ہے۔

تصور روحانیت کو بخوبی سمجھنے سے پہلے روح کی حقیقت جاننا بہت ضروری ہے:

انسان کی تخلیق دو عناصر سے ہوتی ہے، ایک مادی عنصر ہے اور ایک جوہری۔مادی عنصر بدن ہے اور جوہری عنصر روح ہے۔مادی عنصر حرکت میں رہتا ہے اور نشوونما پاتا رہتا ہے۔جوہری عنصر مادہ سے الگ تھلگ ہے۔اس کے خاص مظاہر ہیں جیسے غور و فکر، علم و ارادہ، محبت و نفرت، اخلاق حسنہ یا اخلاق ذمیمہ۔[4]

روح کیا ہے؟ اس کی حقیقت کے بارے میں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔قرآن حکیم میں روح کے کئی معانی بیان ہوئے ہیں: روح بمعنی امر ربی، روح بمعنی قوت ربی، روح بمعنی مافوق الفطرت مخلوق (وہ روح جس کے بارے یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا تھا اور انہیں جواب دیا گیا کہ وہ اللہ کی مخلوق میں سے ہے)، روح بمعنی وحی، روح بمعنی جبرائیل امین اور روح بمعنی مسیح ابن مریم۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور اسکی ذات میں سے ہیں جیسے کہا جاتا ہے یہ کپڑا اسی تھان میں سے ہے اور (ہم) مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کلمہ سے پیدا ہوئے۔ نفس کلمہ نہیں۔ کیونکہ کلمہ تو اللہ کا قول ہے۔اور روح منہ کا یہ مطلب ہے کہ ان میں اللہ کے حکم سے روح آئی۔[5]

غلام جیلانی روح کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

مگر یہ حقیقت اب تسلیم کی جاچکی ہے کہ ہمارے اس جسم میں ایک اور جسم ہے جو آبی بخارات سے زیادہ لطیف ہے۔اصل انسان وہی ہے۔یہ خاکی جسم فانی ہے اور وہ لافانی۔جب ہم نیند میں ہوتے ہیں تو یہ لطیف جسم کثیف یعنی مادی جسم سے نکل کر ادھر ادھر سیر کرنے چلا جاتا ہے۔یہ دونوں اجسام ایک لطیف بندھن سے باہم پیوست ہیں اور جب کسی واقعہ یا بیماری سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے ورنہ نیند کے بعد لطیف جسم سے خاکی جسم میں واپس آجاتا ہے۔[6]

قرآن مجید میں روح کے وظائف کچھ اس طرح بیان ہوئے ہیں: اللہ وہ ہے جو دو طرح روحوں کو قبض کرتا ہے، موت کے وقت اور نیند میں، وہ مرنے والوں کی روحوں کو اپنے ہاں روک لیتا ہے، لیکن باقی ارواح کو ایک خاص میعاد کے لیے ان کے اجسام میں دوبارہ بھیج دیتا ہے۔اس حقیقت میں اہل فکر کے لیے کچھ اسباق موجود ہیں۔[7]

اسی روح کو اہل فن جسم لطیف یا آسٹرل باڈی کہتے ہیں۔یہ مستقل اور غیر فانی ہے اور جسم خاکی اس کی عارضی قیام گاہ ہے۔

حصول روحانیت کے تمام مقامات پر تزکیہ نفس کے عمل سے گزرنا ناگزیر ہے۔تزکیہ نفس کیا ہے؟اور سامی ادیان میں اس ضمن کیا احکامات پائے جاتے ہیں؟اس بحث سے قبل روح اور نفس کے تعلق کا سرسری جائزہ خالی از منفعت نہ ہوگا۔

حضرت علی بن عثمان الہجویری فرماتے ہیں: نفس اور روح دونوں لطائف ہیں جو انسان کے ڈھانچے (بدن) میں موجود ہیں جیسے دنیا میں شیاطین، ملائکہ، بہشت اور دوزخ ہیں۔ان میں سے ایک محل اچھائی اور ایک محل برائی ہے۔جس طرح آنکھ محلِ دید ہے اور کان محلِ سماعت ہے۔تمام راسخ صوفیا اس بات پر متفق ہیں کہ نفس وہ شئے ہے جس کے ذریعے برے خلاق اور گھٹیا افعال کے ارادے پیدا ہوں۔چنانچہ مخالفتِ نفس میں تمام رازِ عبادات پنہاں ہے۔مومن کو معرفت روح سے راحت ہے اور نفس کی وجہ سے حجاب و ضلالت ہے۔اسی طرح جب تک بندہ دنیا میں نفس سے نجات نہ پائے، تحقیق ارادہ تک نہیں پہنچ سکتا۔اس لیے اس کی قائد روح ہے اور جب تک تحقیق و ارادہ حاصل نہ ہو قربت و معرفت ذات کو نہیں پہنچ سکتا۔تو طالب درگاہ احدیت پر واجب ہے کہ ہمیشہ مخالفت نفس کرے تاکہ اس کی مخالفت سے روح اور عقل کو مدد ملتی رہے۔[8]

سلطان بشیر محمود لکھتے ہیں: روح معصوم پیدا ہوتی ہے۔پھر اس پر دنیا کی چیزیں حملہ کرتی ہیں۔ان حملہ آوروں میں شیاطین، ماحول، تعلیم و تربیت، خواہشات، ماں باپ کے اعتقادات وغیرہ سبھی شامل ہیں۔روح ان کا مقابلہ کرتی ہے اس کے نتیجہ میں ایک شخصیت ابھرتی ہے۔اس کا نام نفس ہے۔روح کی مثال بیج سی دی جاسکتی ہے اور نفس کی اس سے بڑھنے پھولنے والے درخت کی اگر مناسب زمین نہ ہو، پانی کھاد پورے نہ ہوں، حملہ آوروں دشمنوں سے حفاظت نہ کی جائے تو اس بیج سے نکلنے والا درخت کمزور ہی رہے گا۔[9]

روح کی بہتری اور اسکی بلندی کے لیے تزکیہ نفس کیا جاتا ہے اسلام میں اس کے بارے میں کاملاً رہنمائی پائی جاتی ہے۔

اسلام اور روحانیت و تزکیہ نفس

دین اسلام میں تزکیہ وطہارت دو قسم کی ہے:

۱-جسمانی یا ظاہری طہارت

۲-روحانی یا باطنی طہارت

دین اسلام میں ظاہری وجسمانی پاکیزگی وطہارت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دین کی بنیاد طہارت پر قائم ہوتی ہے۔اس کے عقائد وافکار کی پاسداری طہارت کے بغیر تصور نہیں کی جاسکتی۔دائرہ اسلام میں داخلے کا موقع ہو یا بچے کی پیدائش یا انسان کی موت کا، روزمرہ کا معمولات زندگی ہوں یا عبادات، ہر ایک میں جسمانی وظاہری پاکیزگی، دین اسلام کی تکمیل اور اس کی اقامت میں اساسی حیثیت کی حامل ہے۔دین اسلام میں ظاہر و باطن اور مادی وروحانی افکار واعمال جداگانہ ہونے کے باوجود باہم ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔یعنی ایسا نہیں کہ تزکیہ کے ظاہری وروحانی امور علیٰحدہ علیٰحدہ ہوں۔ دین اسلام دیگر مذاہب کی طرح ثنویت یا متعددیت کا تصور پیش نہیں کرتا۔اس کا ہر فکر وعمل ظاہری و باطنی تصورات میں متحد ومنظم ہے۔زکوٰۃ کی ادائیگی ایک ظاہری عمل ہے۔لیکن خلوص اور اچھی نیت جو کہ ایک باطنی عمل ہے اس کے بغیر یہ عمل مقبول نہیں۔

دین اسلام میں تزکیہ نفس ایک ہمہ جہت نظام ہے۔فکر وعمل کے لحاظ سے نفس کائنات کی تین اکائیوں، یعنی اللہ تعالیٰ بحیثیت ذات مطلق، نفس بالذات اور معاشرہ سے تعلق قائم رکھتا ہے۔نوعیت وکیفیت بدلتی رہتی ہے لیکن یہ تعلق دنیوی زندگی میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔اگر یہ اصل قائم نہ رہے تو تہذیب وتمدن کے افکار واقدار افراط وتفریط کا شکار ہو کر تباہی سے ہمکنار ہونے کا سبب بن جاتے ہیں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کی بعثت سے اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد کیا ہے؟ وہ کیا غایت تھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت جیسا عظیم سلسلہ شروع کیا اور احکامات اور کتابیں بھیجیں؟ تو اس کا مناسب ترین جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ، نفوس انسانیہ کا تزکیہ۔اس کی وضاحت قرآن سے اس طرح ہے: حضرت ابراہیمؑ (جو کہ جد الانبیاء

ہیں، یعنی تمام سامی ادیان میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں) نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے لیے جو دعا فرمائی، اس میں آپ کی بعثت کی حقیقی غایت یہی بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کا تزکیہ کریں گے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ[10]

"اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنا دے) اور ان (کے نفوس و قلوب) کو خوب پاک صاف کر دے، بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے"

اسی طرح سورۃ جمعہ میں آپ ﷺ کی بعثت کے اغراض و مقاصد کو اس طرح بیان کیا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُواْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍO

"وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، بیشک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے[11]

مذکورہ آیات میں نبی کریم ﷺ کے اصلی مقصد بعثت کی حیثیت سے جس چیز کا ذکر ہوا ہے وہ تزکیہ ہے۔ باقی اس کے ساتھ دوسری چیزیں، یعنی تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت جو مذکور ہوئیں وہ اصلی مقصد کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اصلی مقصد کے وسائل وذرائع کی حیثیت سے مذکور ہوئی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سورۃ بقرہ کی مذکورہ بالا دونوں دونوں آیتوں میں سے ایک آیت (129) میں تزکیہ کا لفظ سب سے آخر میں آیا ہے اور دوسری آیت (151) میں سب کے شروع میں آیا ہے۔ غور کرنے سے باآسانی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک ہی بات کے بیان کرنے میں اسلوب کا یہ ردوبدل کم از کم قرآن مجید میں بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ ہماری (امین احسن اصلاحی کی) دانست کے مطابق اس تقدیم و تاخیر سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کی تمام جدوجہد اور اس کی تمام سرگرمیوں کا محور و مقصود دراصل تزکیہ ہی ہے۔[12]

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فلاح کی ضمانت تزکیہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَاO[13]

جس نے تزکیہ کیا وہ فلاح وہ پا گیا۔

حصولِ روحانیت کے لیے تزکیہ نفس کیسے کیا جا سکتا ہے اس مقصد کے لیے کون کون سے ذرائع و وسائل اور طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔اس حوالے سے قرآنی تعلیمات کچھ اس طرح ہیں:

قرآن حکیم کے مطابق خیر و شر کی تمیز جبلت انسانی میں رکھ دی گئی ہے، اسے یوں بیان کیا ہے؛

فالهمها فجورها وتقوها[14]

پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور پرہیزگاری سمجھا دی.

مندرجہ بالا قرآنی احکامات کے حوالے سے یہ ثابت ہو گیا کہ باری تعالیٰ نے خیر اور شر کی تمیز جبلی طور پر انسانی شعور میں راسخ کر دی ہے۔انسان کا قلب اور اسکا ضمیر اسے ہر اچھے اور برے امر کے بارے میں آگاہ کرتا رہتا ہے۔نفس انسانی کے اندر خودکار پیمانہ یا نیویگیٹر نصب کر دیا گیا ہے جو انسان کو متنبہ کرتا رہتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط، بشرطیکہ انسان اس کی ہدایات پر غور کرے۔

مندرجہ ذیل بحث میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح جدید روحانی (روحی) نظریات مذہبی روحانیت سے مختلف ہیں اور ان نظریات و سرگرمیوں کے حتمی مقاصد کیا ہیں؟

غیر مذہبی روحانیت یا جدید روحی نظریات

غیر مذہبی روحانیت کیا ہے؟ کیا یہ نظریہ کوئی ٹھوس موقف اور بنیاد رکھتا ہے یا پھر مذہب دشمن یا مذہب بیزار لوگوں کے لیے ایک جدید پرکشش نعرہ ہے۔جس کا مقصد مذہب سے نفرت کا اظہار اور افراد کا متبادل راستہ تلاش کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے۔اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباسات کافی معاون ثابت ہوں گے۔

For some people, what they mean when they say 'spiritual but not religious' is that they're uncomfortable with religious institutions," Curtis said. "They're fine with some sort of what they describe as a 'personal connection' with something, whether that's a figure like God or a spiritual connection to nature, but they don't like the constrictions and rules of a church.[15]

کچھ لوگوں کے لیے 'غیر مذہبی روحانی' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مذہبی ادارے سے بیزار ہیں" کرٹس نے کہا؛ وہ کسی شئے کیساتھ مطمئن ہیں جیسے وہ کسی چیز کیساتھ ذاتی تعلق بیان کرتے ہیں تاہم وہ خاص شئے ہے جیسے خدا یا فطرت کیساتھ ایک روحانی تعلق۔ لیکن وہ چرچ کے ضوابط اور دباؤ پسند نہیں کرتے۔

> Being spiritual instead of religious may sound sophisticated, but the choice may ultimately come down to egotism.[16]

مذہبی کے بجائے روحانی ہونا پرکشش محسوس ہوتا ہے لیکن یہ انتخاب حتمی طور پر خود پسندی کی طرف لے جاتا ہے۔

واضح رہے کہ یہاں پر جدید روحانی نظریات کو دینی اور اسلامی روحانیت سے متمیز کرنے کے لیے "روحی یا روحیت" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

روحیت اس مخصوص نفسیاتی اور ذہنی کیفیت کو کہتے ہیں جو کبھی کبھی ذہن کو شعور کی عام سطح سے بلند کر کے اسے بعض ایسی پراسرار قوتوں یا چند ایسے قوانین فطرت سے دوچار کر دیتی ہے جس کی تشریح ہم فطرت کے معلوم قوانین اور عادت کے لگے بندھے ضابطوں کی روشنی میں نہیں کر سکتے۔ مستقبل بینی، معجزہ نما پیش گوئیاں، ساحری، القاء، وجدان، کشف اور شراق کی حالتیں یہ سب روحیت کے مظاہر اور مابعد النفسیات کے دائرہ تحقیق میں شامل ہیں۔[17]

ایک تصور ٹیلی پیتھی کا ہے۔ یہ دو یونانی لفظوں ٹیلی اور پیتھی کا مجموعہ ہے جس کا مطلب ہے دور سے محسوس کرنا۔ ٹیلی پیتھی اس علم کا نام ہے جس کے ذریعے دو انسان بغیر کسی مادی وسیلے کے ایک دوسرے کے ذہنوں سے رابطہ کر سکتے ہیں چاہے وہ ایک دوسرے سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں۔ ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم مفہوماً باہم مترادف ہیں۔ اسی طرح ایک اور روحی تصور "تیسری آنکھ" کا ہے۔ روحی علوم کے ماہرین کے مطابق یہ غالباً انسان کی تیسری آنکھ، دو آنکھوں کے درمیان تھی جو عضویاتی اور جسمانی ارتقاء کی طویل منزلوں میں اپنی حیاتیاتی افادیت پوری کر کے سکڑ گئی۔ روحی علوم میں ارتکاز توجہ اور تنظیم تنفس کی مختلف مشقوں کے ذریعے اس تیسری آنکھ کو جگایا جا سکتا ہے۔[18]

ان تمام تصورات و نظریات میں مشترک چیز ارتکاز توجہ ہے۔ جسے مختلف نام دیے گئے ہیں مثلاً مراقبہ، یوگا اور میڈیٹیشن وغیرہ۔ یہ تصور اور ارتکازِ توجہ کی مشقیں ہیں۔ ان ریاضتوں کا ہدف یہی ہوتا ہے کہ آپ کے دماغ سے نکلنے والی خیالی لہروں میں قوت پیدا کی جا سکے اور جسمِ مثالی کو مستحکم اور وسیع کیا جا سکے جب ارتکازِ توجہ کی ریاضتوں کے ذریعے

خیالات کی لہروں میں قوت پیدا ہو جاتی ہے تو دماغی کیفیات مختلف ہوتی ہیں دماغ کی فریکوئنسی کم یا زیادہ ہونا شروع ہو جاتی ہے عمومی طور پر دماغ کی فریکوئنسی ہائی رہتی ہے مگر ارتکازِ توجہ کی مشقوں سے دماغ کی فرکوئنسی لو ہو جاتی ہے۔ تصور اور ارتکازِ توجہ کے وجہ سے جب دماغ کی فریکوئنسی ڈاؤن ہو جاتی ہے تو اس وقت آنکھیں اور سر بھاری ہو جاتا ہے، جب ایسی صورتحال پیدا ہوتی ہے تو اس وقت ذہنی خیالات اور جسمِ مثالی میں ایک خاص قسم کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، اس طریقہ کے ذریعے جب آپ اپنے دماغ کی فریکوئنسی پر قابو پا لیتے ہیں تو آپ اس سے بہت سے کام لے سکتے ہیں اور ہلکی سے ہلکی آوازوں کو بھی سننے پر قادر ہو جاتے ہیں جن آوازاوں کو عام حالات میں نہیں سنا جا سکتا۔

غیر مذہبی تصورات ومشقوں میں جو چیز مشترک ہے وہ کسی مافوق الفطرت اور ماورائے عقل ہستی کی نفی ہے۔ یعنی ان تصورات کے مطابق حصول روحانیت کے لیے کسی اعلیٰ ہستی کی ضرورت نہیں بلکہ کسی شخص کی ذاتی کوشش اور مشق ہی کافی ہے کیونکہ ہر شخص یہ قوت اور صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے فقط اس کو دریافت کرنے اور پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ یہ جدید تصورات عرف سے ہٹ کر ذات، عقل اور مادیت کے تابع ہیں۔ جنکی محدودیت کا اندازہ ان تینوں چیزوں کے تعلق سے لگایا جا سکتا ہے۔

روحیت اور روحانیت میں فرق واضح کرتے ہوئے انجم لکھتے ہیں: اہل مغرب روحی علوم، ذہنی ونفسیاتی اور جسمانی امراض سے چھٹکارا پانے کے لیے اور دنیوی آسائش وراحت اور مادی فوائد کے حصول کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ روحی علوم میں خیال کی قوت کو، لاشعور قوت کو اور قوتِ شفا کو موضوع فکر بنایا جاتا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی قدرت وحکمت کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ اہلِ مشرق روحانیت کو دنیاوی مقاصد کے لیے بھی استعمال کرتے تھے اور کرتے ہیں لیکن روحانیت سے ان کا اصلی مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رضا کا حصول اور خدمتِ خلق ہے۔ اس لحاظ سے ہمارا مقصد اعلیٰ اور روحانی ہے اور ان کا مقصد ادنیٰ اور مادی ہے۔[19]

مغرب میں روحانیت کے روایتی طرز سے ہٹ کر عہدِ حاضر میں مختلف جدید روحی تصورات کو اختیار کیا گیا۔ تہذیب حاضر کے زیر سایہ جنم لینے والے ان لاتعداد روحی تصورات یا پیرا سائیکولوجیکل نظریات کو مختلف نام دیا گیا اور انہیں روحانی تصورات یا مافوق الفطرت شئے قرار دینے کے لیے مختلف مفروضے اختیار کیے گئے۔ ان میں سے کچھ تصورات کو علمِ نفسیات کا حصہ قرار دیا گیا اور بعض تصورات کو سائنسی توجیہ دینے کی بھی کوشش کی گئی۔

انجم، مغرب میں مروجہ روحی علوم کے مقاصد اور نتائج پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عصر حاضر میں نفسیات ومابعد نفسیات اور دیگر روحی علوم (یوگا، ہپناٹزم، ریکی، سائنٹالوجی وغیرہ) بھی ذہنی، نفسیاتی، جسمانی بہتری، اصلاح اور شفا کے لیے روحانی دنیا میں کارفرما اصول و قوانین کا ذکر تو کرتے ہیں، مگر حقیقت الحقائق، قادر مطلق ذاتِ باری تعالیٰ کے علم، حکمت اور قدرت کا ذکر نہیں کرتے۔

اہل مغرب اپنے مادہ پرستانہ اور ملحدانہ طرزِ فکر کی وجہ سے اسے (روحیت کو) خیال کی قوت یا خود تلقینی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ تمام روحی علوم (ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی، سائنٹالوجی، ریکی، این ایل پی تکنیکس وغیرہ) اسی دہریت اور ملحدیت کی تعلیم دیتے ہیں۔[20]

اس کے برعکس مذہبی تصور روحانیت میں حصولِ روحانیت کا مقصد ماوراء ہستی سے اتصال اور اس کے عزائم سے موافقت قائم کرنا ہے۔

کلاچوی ان روحی علوم کے وظائف و مقاصد اور ان کی ناپائیداری واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یورپ میں مسمریزم، ہپناٹزم اور سپرچولزم والوں نے تصور اسم اللہ ذات) تصوف (کا چربہ اور نقل اتاری ہے۔ وہ لوگ اپنی نگاہ کو کسی خاص نکتے پر مثلاً شیشے کے گولے یا چراغ یا بتی کی لو یا بجلی کے قمقے غرض کسی خاص روشن چیز پر جمانے کی مشق کرتے ہیں۔ جسے انکی اصطلاح میں کنسنٹریشن کہتے ہیں۔ اسی طرح تصور اور خیال کی مشق سے وہ لوگ ایک برقی طاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ جس کے ذریعے عامل اپنے معمول پر توجہ ڈال کر اسے بے خود اور بے ہوش کر دیتا ہے۔ اور اسے مقناطیسی نیند سلا دیتا ہے۔ اور اس کے ضمیر اعلیٰ (Unconscious mind) میں اپنی قوت اور قوتِ خیال سے کام لیتا ہے۔ عامل، معمول کو جو امر کرتا ہے وہی امر بجالاتا ہے۔ اس سے چند دماغی اور عصبی امراض کا ازالہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سے کوئی پائیدار اصلی روحانی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ مسمرائزر اور ہپناٹائزر کا معاملہ محض مقام ناسوت تک محدود ہوتا ہے۔ اس آگے تجاوز نہیں کرتا، ملکوت میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یعنی یہ مسمرائز اور ہپناٹائز مادی دنیا تک محدود ہیں جس کا روحانی دنیا سے کوئی کنکشن اور تعلق نہیں ہے۔[21]

جدید (روحانی) روحی تصورات کا پس منظر

عصر حاضر کا جدید ذہن حقیقی روحانیت و مذہب سے بیزار ہو رہا ہے۔اسی بیزاری کی آڑ میں نسلِ نو نے ادیان کی بنیادی تعلیمات کی طرف لوٹنے کی بجائے نئے نئے افکار اختیار کر لئے ہیں جو کہ نہ صرف اسکی روحانی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ ان نئے وضع کروہ جدید روحانی افکار نے روحانی مسائل کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا ہے۔اس مذہبی بیزاری کے محرکات کئی ہو سکتے ہیں لیکن اس کا ایک محرک یہ ہے کہ حاملینِ روحانیت، مذہب کی اصل روحانی تعبیر و تصویر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ جبکہ دوسرا محرک مذہب مخالف اور روحانیت کے بے مقصد اور بے سود ہونے کے بارے میں تاریخی مغربی پروپیگنڈا ہے۔ جدید فکر وذہن کے روحانیت کے متعلق درج ذیل نظریات ہیں:

1۔ حصول روحانیت کے لیے مذہب کی ضرورت نہیں۔ یہ تصور عہدِ مابعد جدیدیت کی پیداوار ہے۔

یہ تصور ایک فریب کے سوا کچھ نہیں، کہ کسی دینی فکر پر عمل کیے بغیر انسان رواداری اور محبت اخوت جیسے افکار پر عمل درآمد کر سکتا ہے۔تاریخ ان شواہد سے بھری پڑی ہے کہ وہ نظریات جن میں دینی افکار خدا اور روح جیسے شامل نہیں تھے معاشرے نے انہیں رد کر دیا۔ کیوں کہ وہ معاشرے کو پختہ روایات اور باہمی رواداری پر مبنی جذبات اور روایات نہیں دے سکے۔ مابعد جدیدیت وہ نظریہ ہے جو روایت کو خالی اور بے اثر کر دیتا ہے۔

2۔روحانیت کا مقصد فقط روحانی تسکین ہے۔الٰہیات اور اخلاقیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ واحد بخش سیال لکھتے ہیں: زمانہ قدیم سے مذہب ایک عظیم ترین طاقت رہا ہے جس کے ذریعے بنی نوع انسان منزلِ مقصود تک پہنچتی رہی ہے۔ہر زمانے میں مذہب ہی وہی کسوٹی رہی ہے جس کے ذریعے خیر و شر، نیکی اور بدی، حلال اور حرام میں تمیز ہوتی رہی۔ کیونکہ جب تک ہم کو خدا عالم کی طرف سے یہ نہ بتایا جائے کہ فلاں چیز خیر ہے اور فلاں شر، ہم نہ کوئی نیکی کا کام کر سکتے ہیں اور نہ برائی سے رک سکتے ہیں۔ اہل مغرب نے اسلام کے صرف ان اصولوں کو اپنانے پر اکتفا کیا یا بالفاظ دیگر ان لوگوں نے اس حد تک اسلام قبول کیا جس کا تعلق صرف مادی ترقی اور سائنس کے فروغ سے تھا لیکن چونکہ وہ لوگ پادریوں کے صدیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آچکے تھے لہٰذا انہوں نے اسلام کی روحانی تعلیمات سے بھی گریز کیا۔[22]

مندرجہ بالا افکار کے پروان چڑھنے کے محرکات درج ذیل نظریات ہیں: وہ تمام جدید نظریات جو جدید مغربی تہذیب و ثقافت کے جزو لاینفک بن چکے ہیں۔ان مختلف مادی خیالات و نظریات نے نہ صرف مغرب بلکہ پوری دنیا میں روحانیت کے متعلق متفرق تصورات کو فروغ دیا۔ یہ تصورات سیاست سے معیشت اور عمرانیات و نفسیات سے مذہب

تک، تمام شعبہائے علوم وزندگی پر محیط ہو چکے ہیں۔ جدیدیت کی پیداوار ان نظریات نے سماج کو اس حد تک متاثر کیا ہے کہ اب ہر خیال و نظریہ کو مادی معیارات پر پرکھا جاتا ہے۔

ذیل میں دور جدید کے چند وہ نظریات درج کئے جاتے ہیں جو بحیثیت مجموعی فلسفہ حیات کی شکل میں اس انداز سے فروغ پائے ہیں کہ علمی و عملی شعبوں میں انھیں کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ ان کے مطالعہ سے پتہ چلے گا کہ بعض کے تحت الشعور اور بعض میں کھلے بندوں کس قدر لامذہب روحانیت کی سوچ پائی جاتی ہے۔

معروف فلسفی اسپنگلر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے لکھا ہے: مسیح اس کے خلاف ہے کہ سیزر) بادشاہ(کا حق اسے نہ دیا جائے، یعنی مسیح علیہ السلام دنیا کو سیزر کی ملکیت سمجھتے ہیں۔ جس سے حقیقت (معرفتِ خداوندی) کے طالب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: اپنے آپ کو حقیقی دنیا کے قابل بناؤ اور صبر سے کام لو اور) زندگی کی (حقیقت کے بارے میں جاننے کی کوشش مت کرو کیونکہ اصلِ مقصد نجاتِ روح ہے۔ اسپنگلر مزید لکھتا ہے: مذہب اول و آخر مابعد الطبیعیات ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب) اشیاء (کا ادراک حواس سے ممکن ہے۔ جس مقام سے ادراک کا آغاز ہوتا ہے اسی جگہ پر حقیقی مذہب ختم ہو جاتا ہے۔ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا قول "میری حکومت اس دنیا میں نہیں" نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے اس قول کی گہرائی وہی شخص دیکھ سکتا ہے جسے اس کی روشنی اور آواز کی پہچان ہوتی ہے۔[23]

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ باآسانی سمجھا سکتا ہے کہ جدید مفکرین کے ہاں مذہب کے بارے میں کس طرح محدود اور نامکمل مؤقف پایا جاتا ہے اور مسیحی لوگوں نے کس طرح دنیوی زندگی کی نفی کر کے رہبانیت پر مبنی تصورات کو پروان چڑھایا۔ جس کا نتیجہ نہ صرف یہ نکلا کہ انہوں نے ریاست اور کلیسا کو دو متضاد اور باہم متصادم اداروں کے طور پر قبول کیا بلکہ مذہب کو ثانوی حیثیت دے کر اسے انفراد کا معاملہ قرار دے دیا۔

بیشتر فلاسفہ نے روحانیت و مذہب کو اخلاقی حیثیت سے دیکھا جس کی وجہ سے وہ روحانیت و مذہب کے مقاصد کے حوالے سے مغالطہ کا شکار ہو گئے۔ ان مفکرین کے نزدیک روحانیت یا مذہب کا مقصد معاشرہ میں فقط اخلاقیات کا قیام یا انفرادی و اجتماعی مروت کا حصول ہے۔ یہ نظریہ سراسر مادیت پرستانہ ہے۔ نظریہ اخلاق فلسفہ کے موضوعات میں سے ایک ہے اور اسی طرح اسے مذہب میں بھی اساسی اہمیت حاصل ہے۔ فلاسفہ اسکے حوالے متنوع نظریات ہیں۔ سپنوزا نے خدا پر

یقین کے تمام دینیاتی اور فلسفیانہ عقائد کو مسترد کر دیا۔تاریخی تجربے پر بات کرتے ہوئے اس نے اخلاقیات اور سول زندگی پر مذہب کے بداثرات کو تسلیم کیا۔[24]

کانٹ جس نے "عقل محض "یا عقلِ خالص پر بات کرتے ہوئے ،اخلاقیات کی ضرورت پر بھی بات کی ہے۔لیکن ایسے کرتے ہوئے اس نے اخلاقیات کو خوداختیاری اور مذہب کو ناممکن الوجود قرار دیا ہے۔سادہ الفاظ میں مذہب یا دین کی کوئی حقیقی حیثیت نہیں ہے۔اگر مذہب کی کوئی ضرورت اور اہمیت ہے توفقط اخلاقیات کی تعینات و نفاذ کی حد تک ہے۔

اس حوالے سے تقی امینی لکھتے ہیں: کانٹی اخلاقیات کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس کی اخلاقیات خود اختیاری ہے۔انسان کی فطرت اور عمل کے جوہر کے باہر کسی مقدمات کی محتاج نہیں ہے۔اس طرح طبیعیات،نفسیات،اور دینیات سب سے وہ آزاد ہے۔[25]

اخلاقیات کو موثر بنانے اور ضابطہ حیات کی شکل میں اس کی تنظیم کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد وعمارت زندہ مذہب پر استوار کی جائے۔اس صورت میں لامحالہ نفسیات سے اس کا تعلق ہوگا اور ہمہ وقت ایک موثر طاقت کی کارفرمائی ہوگی۔انبیائی مشن کی تاریخ گواہ ہے کہ قلب کے تصفیہ اور اخلاق کے تزکیہ کے لئے حقیقی ایمان سے بڑھ کر کوئی موثر تجویز اب تک وجود میں نہیں آسکی ہے۔

مغربی مفکرین اور غیر مذہبیت کا فروغ

ڈارون کے نظریہ کے مطابق انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے،یعنی انسان پہلے بندر تھا پھر رفتہ رفتہ دس لاکھ سال کی مدت میں بتدریج ترقی ہوئی اور اس ترقی کے نتیجے میں بندر نے انسان کی شکل اختیار کی۔جسمانی ترقی کی طرح ذہنی ترقی بھی بتدریج ہوئی۔اس نظریہ میں تنازع للبقاً(زندہ اور باقی رہنے کی باہمی کشمکش)،انتخاب طبعی(جو چیزیں باقی رہنے کے لائق ہیں طبعی طور پر قیام وبقا کے لیے انہیں کا انتخاب ہوتا ہے)،اور بقاًا صلح(وہی چیزیں باقی رہتی ہیں جن میں باقی رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے) جیسی اصطلاحات کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔اس لحاظ سے ہر ایک کشمکش حیات میں مصروف ہے۔اس کشمکش میں جنہیں مدافعت کے مناسب آلات میسر آتے ہیں وہ باقی رہتے ہیں اور جو غیر موزوں ہوتے ہیں وہ فنا ہو جاتے ہیں۔[26] گزشتہ ایک سو پچاس برسوں میں ڈارونزم کے نظریات نے معاشروں اور معیشتوں پر بہت گہرے اثرات

مرتب کیے ہیں اور افسوسناک بات یہ ہے اس نظریے کا پر مغز تنقیدی جائزہ بہت کم کیا گیا ہے اور اسی بقا کی جنگ (survival of the fittest) کو ہی قانون فطرت تسلیم کر لیا گیا ہے۔ دور حاضر کی انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اس کا گہرا تجربہ گزشتہ دو سو سال سے اخلاقی دیوالیہ پن کی صورت میں برداشت کیا ہے۔ غرض نظریہ ارتقاء میں اصل بنائے کار مادہ ہے، نفس و روح اور عقل و شعور وغیرہ مادہ کی ایک صورت اور اسی کی نشوو ارتقا کا نتیجہ ہیں۔ انسان کی اس میکانیکی توجیہ میں مادیت انسان کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر چکی ہے کہ روحانیت کے انسانی زندگی میں داخل ہونے کے راستے بند ہوتے دیکھائی دیتے ہیں۔

فرائڈ جنسی خواہشات کی تکمیل کو انسان کا حقیقی نصب العین قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی اعلیٰ سرگرمیاں علم و ہنر، فلسفہ و اخلاق وغیرہ کی کوئی پائیدار حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ سب انسان کی ناقابل تسکین اور مجبور اً ترک کی ہوئی جنسی خواہشات کو بہلانے کا ذریعہ ہیں۔ اصول اخلاق دراصل سماج کی پیدا ہوئی ایک مصنوعی رکاوٹ ہیں تاکہ انسان کی جنسی خواہشات بے لگام ہو کر اس کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس کے نزدیک نیک و بد کی تمیز فرضی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔[27] اشتراکیت کی بنیاد فلسفہ مادیت پر قائم ہے۔ یہ نظریہ بنیادی طور پر اقتصادی نظام سے متعلق ہے۔ اس نظریہ کا بانی کارل مارکس ہے۔ کارل مارکس مذہب کو افیون قرار دیتا ہے۔

کارل مارکس کے ملحدانہ خیالات کی ترجمانی مشتاق احمد وانی ان الفاظ میں کرتے ہیں: مذہب، اخلاق، اور روایات مارکس کی نظر میں انتہائی مضحکہ خیز باتیں ہیں۔ اور وہ ان سے انحراف کرتا ہے۔ وہ آسمانی ہدایات وغیرہ کے بارے میں یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ یہ انسانوں کے تراشیدہ اوہام ہیں۔ ان میں کچھ حقیقت نہیں اور ساری دنیا کی اصلیت مادیت میں موجود ہے۔ بلکہ مادیت ہی حقیقت ہے۔[28] اشتراکیت میں انسان اور کائنات کو ایک خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھا گیا ہے جس میں خدا، روح، مذہب اور اخلاق وغیرہ انسانی اقدار کو کوئی مستقل وجود نہیں ہے بلکہ یہ سب معاشی حالات کے تابع انسان کے وضع کردہ ہیں۔ مندرجہ بالا نظریات نے ایک ایسے عہد کو جنم دیا ہے، جس میں نہ صرف روحانیت کو ثانوی حیثیت دی جاتی ہے بلکہ اسے مادی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

مذہب کے بارے میں اسپنگلر جیسے عظیم مؤرخ کی مندرجہ ذیل فکر اس بات کی غماز ہے کہ کس طرح عالمِ مغرب میں مذہب بیزار رویہ پایا جاتا ہے اور عوام کا مذہب کو بے وقعتی اور کم نظری سے دیکھنا ایسی صورتحال میں ایک معمولی بات ہے۔

وہ لکھتے ہیں: یسوع) حضرت عیسیٰ (کوئی اخلاقی فلسفی نہیں تھا اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ مذہب کا مقصد اخلاقیات کا پرچار ہے تو یہ غلط ہے۔ اخلاقیات انیسویں صدی کی روشن خیالی کا بے کیف مظہر ہیں۔[29]

مغرب میں مذکورہ بالا تصورات و نظریات کے پیچھے مادیت اور بے لگام عقلیت کارفرما ہے۔ مغرب نے عقل کو جب حقیقت کی دریافت کے لیے اصل اور حتمی ذریعہ کے طور پر دیکھا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے ہر شئے چاہے وہ طبیعی ہو یا غیر طبیعی، اس کی مادی تعبیر ہی کی ہے۔

جبکہ علامہ اقبال رح عقلی طریق کی نارسائی پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دور جدید کا انسان اپنی عقلی سرگرمیوں کے نتائج سے مکمل طور پر مسحور ہونے کی بنا پر باطنی لحاظ سے روحانیت سے محروم زندگی گزار رہا ہے۔ فکریات کے میدان میں وہ خود اپنے آپ سے تصادم میں مبتلا ہے۔ اور معاشی اور سیاسی دنیا میں وہ دوسروں سے کھلے تصادم کا شکار ہے۔ اپنی بے مہار انانیت اور زر و سیم کی بے پناہ بھوک اس کی ذات میں ودیعت شدہ تمام اعلی محرکات و اقدار کو بتدریج مسل اور کچل رہی ہے۔[30]

دور جدید کا ذہن اس بات پر مصر ہے کہ اشیاء کی حقیقت فقط سائنسی منہج کے بل بوتے پر ہی معلوم کی جاسکتی ہے اور تمام ادنی و اعلیٰ مسائل کا حل صرف اسی کے ذریعے تلاش کیا جاسکتا ہے۔

بیگووچ مذہب کی روحانیت کے لحاظ سے اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سائنس کا علم کتنی ہی ترقی پذیر ہو جائے یہ نہ تو اخلاقیات سے آزاد ہونے میں اور نہ ہی مذہب کو غیر اہم قرار دینے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ سائنس لوگوں کو جینے کے طریقے نہیں بتاتی نہ ہی یہ اخلاق اور معیار کے ضابطے مقرر کرتی ہے وہ اقدار جو وحشی زندگی کو انسانی زندگی میں تبدیل کریں مذہب کے بغیر ناقابل فہم رہیں گی مذہب ایک اعلیٰ تر دنیا کی شروعات ہے اور اخلاقیات اس کے مفہوم کا تعین کرتی ہیں۔[31]

علامہ اقبال کائناتی وسعت کو سامنے رکھتے ہوئے مستقبل کے انسان کی اس طرح رہنمائی فرماتے ہیں کہ: انسان کو بنیادی طور پر تین چیزوں کی ضرورت ہے؛انسانیت کی روحانی تعبیر، فرد کا روحانی استخلاص اور ایسے عالمگیر نوعیت کے بنیادی اصول جو روحانی بنیادوں پر انسانی سماج کی نشو و نما میں رہنما ہوں۔[32]

حاصل بحث

لا مذہب روحانیت جیسے خیالات کے پروان چڑھنے کی بنیادی وجہ عقل پر لا محدود اعتبار ہے۔ کیونکہ ایسے خیالات کے پیروکاروں ماننا ہے کہ وہ اپنی عقل کی بنیاد پر ایسے مناہج اور علوم دریافت کر سکتے ہیں۔ جو انکی مادی اور روحانی ضروریات کے لیے مکتفی ہوں گے۔ روحانیت کو مذہب سے الگ یا اسکے متوازی سمجھنا غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ اسی طرح مذہبی تعلیمات سے منقطع اور خود ساختہ ذہنی اور جسمانی مشقیں ذہنی سکون اور جسمانی صحت کی بہتری کا سبب تو بن سکتی ہیں لیکن منتہائے مقصود کے حصول کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ منتہائے مقصود کے حصول کا واحد ذریعہ تعلیمات خداوندی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جدید لا مذہب روحانیت کی طرف رغبت یا اسکے پرچار کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب مخالف پروپیگنڈہ پھیلانے والے اور اس سے متاثرہ لوگوں پر یہ خوف غالب ہے کہ حقیقی روحانیت کے حصول کے لیے مذہب کی طرف پلٹنا پڑے گا۔ بالخصوص مسیحی دنیا جو کہ اس طرف پلٹنا نہیں چاہتی۔ درحقیقت روحانیت کو مذہب سے الگ دیکھنا ایک جدید مغالطے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ چاہے جتنے بھی نظامِ روحانیت تخلیق کرنے کی کوشش کی جائے اس کا درست ترین اور حقیقی راستہ مذہب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے. کیونکہ مذہب جو اخلاق اور روحانیت کا مظبوط نظام فراہم کرتا ہے وہ انسان کا خود ساختہ اور محدود ذہن پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انسان کے دریافت کردہ ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی، اور تیسری آنکھ جیسے جدید افکار نہ تو انسان کی روحانی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں اور نہ ہی غیر مذہبی روحانیت (روحیت) میں اتنی واقعیت اور صلاحیت ہے کہ وہ الوہی ادیان کا متبادل قرار پا کر انسانیت کے لیے قابل قبول نظامِ فکر و عمل تشکیل دے سکے۔ دین کی مقدس تعلیمات میں ہی وہ الوہی روشنی موجود ہے جو نہ صرف انسانی کی روحانی ضروریات کی تکمیل کر سکتی ہے بلکہ ان تعلیمات کی ہدایت کردہ سماجی اقدار کی پاسداری سے ہی عالم انسانیت امن اور سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1]- حسین، سید تصدق، :لغات کشوری، لکھنو: منشی نول کشور پریس، (1999)، ص218

Ḥusīn,Ṣīad Tasaduq,luġati kišūarā lkhno: Munšā Nūl kišwar Press,(1999), i□ 218

[2] - “Spirituality,” Wikipedia (Wikimedia Foundation, June 27, 2020), https://en.wikipedia.org/wiki/Spirituality.

[3] -Melton, J. Gordon. “Spiritualism.” Encyclopædia Britannica. Encyclopædia Britannica, inc., May 3, 2013. https://www.britannica.com/topic/spiritualism-religion

[4]-عفیف، عبدالفتاح، اسلام میں روحانیت کا تصور، دہلی: مکتبہ اسلامی پبلشرز، (2011)، ص19

ʿfāf, Ābdal’ftah, Īslam mīn rohaniyat kā tasawwur, Dehli : : Maktbaḥ Islami Pablišers,(2011), i□19,

[5]-الجوزی، ابن قیم، کتاب الروح، کراچی: نفیس اکیڈمی، (1982)، ص225

Ibn ī Qaīm, kitaab AL-Rūḥ, Karachā : Nafees Acīadmā, (1982), i□225

[6]-برق، غلام جیلانی، من کی دنیا، لاہور: غلام علی سنز، (1997)، ص22

Barq, Ġhulam Ğīlanā, Mann kā duniyā, Lahūr: Ġhulam Alā sans,(1997) i□22

[7]-القرآن: ۳۹:۴۲

Al-Quran 39:42

[8]-الھجویری، علی عثمان، کشف المحجوب، مترجم: احمد قادری، ابوالحسنات، لاہور: مکتبہ شمس وقمر، (2012ء)، ص360-361

Al-Ḥajwairā, ʿli ʿsman, kašaf Al-mahjūb, Mutrajim : Ahmed Qadrā, Lahūr: Maktbaḥ Shams ū Qamar(2012), i□360-361

[9]-الھجویری، علی عثمان، کشف المحجوب، مترجم: احمد قادری، ابوالحسنات، لاہور: مکتبہ شمس وقمر، (2012ء)، ص360-361

Bašār, Mahmūd, Sultan ,Talaš ī Ḥaqīqat, Islamabad: Darul Hikmat international, (2006), i□104

[10]-القرآن: 129:2

Al-Quran 2:129

[11]-القرآن: 2:62

Al-Quran 2:62

[12]-اصلاحی، امین احسن، تزکیہ نفس، فیصل آباد: ملک سنز، (1961ء)، ج1، ص16-17

Islaḥā, Amīn Ahsen ,Tazkiah Nafs, Faisalabad: Malik sons, (1961), i□1/16-17

[13]-القرآن: 09:91

Al-Quran 91:09

[14]-القرآن:91:08

Al-Quran 91:08

[15]-Spiritual but Not Religious: The Movement. (2017, November 13). Retrieved July 03, 2020, from http://reflectorgsu.com/spiritual-but-not-religious-the-movement

[16]-Martin, James. *The Jesuit Guide to (Almost) Everything: a Spirituality for Real Life*. New York, NY: HarperCollins, 2012.

[17]-انجم، محمود علی، نور عرفان، لاہور: مکتبہ جدید، 2017ء، ص111

Anğum,Maḥmūd Alā, Nūr ī Irfan, Lahūr: Maktbaḥ Jadīd,(2017) i□111

[18]-ایضاً، ص131،111

ibid:111,131

[19]-ایضاً، ص62،118

ibid:62,118

[20]-ایضاً، ص104،95

ibid:95,104

[21]-کلاچوی، نور الدین، العرفان، (س ن)، ص193

Kalachwā, Nūr'aldā, Al'Irfan, (sn) i□193

[22]-سیال، واحد بخش، روحانیت اسلام، لاہور: بزم اتحاد المسلمین، (۱۴۰۸ھ)، ص131

Sīal, Waḥid Baẖš, Rūḥanīat ī Islam, Lahūr: Bazam Itehad ul Muslimeen, (1408h) i□131

[23]-اسپنگلر، اوسوالڈ، زوالِ مغرب، مترجم: طارق، عبداللہ، لاہور: نگارشات، (2005ء)، ص369

Spingler, Oswoold, Zawal'e Maġrib, Mutrajim: Tariq, Abdullah. Lahūr: Niġaršat,(2005) i□369

[24]-جواد، یاسر، فلسفیوں کا انسائیکلوپیڈیا، لاہور: بک ہوم، (2005ء)، ص223

Jawad, Yasir, Falsfāūn ka encyclopāedia, Lahūr: Buk hūm, (2005) i□223

[25]-امینی، محمد تقی، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، کراچی: نفیس اکیڈمی، (1997ء)، ص89

Amāni, Muhammad Taqi, La'mazhabi dūr ka Tarīẖā Pas'I manzar, Karachā : Nafees Acīadmā,(1997) i□89

[26]-ایضاً، ص120

ibid: i□120

27-ایضاً، ص156

ibid: i□156

28-مشتاق احمد وانی، ڈاکٹر، تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران، علی گڑھ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2002ء، ص554

Wani,Muštaq Ahmad, Taqsīm ke bad Urdū Naval mīn Tehzeebā Buhran, Ali Ğarh, Educational Publishing House,(2002) i□554

29-اسپنگلر، اوسوالڈ، زوالِ مغرب، مترجم: طارق، عبداللہ، لاہور: نگارشات، (2005ء)، ص368

Spingler, Oswoold, Zawal'e Maġrib, Mutrajim: Tariq, Abdullah. Lahūr: Niġaršat,(2005) i□368

30-اقبال، علامہ محمد، تجدید فکریات اسلام، مترجم: عشرت، وحید، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، (2002ء)، ص255

Iqbal, Alamah Muhammad, Tğdīd fikriyat'I Islam, Mutrajim: Išrat, Wahīd, Lahūr:Iqbal Acīadmā Pakistan,(2002) i□255

31-بیگووچ، علی عزت، مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، مترجم: منیر، ایوب، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، (2004ء)، ص115

Beġūich, Ali Izat, Mašriq'ū Ma Maġrib ki Tehzeebā kašmakaš, Mutrajim: Munār, Ayūb, Lahūr: Idar Muarif Islami,(2004) i□115

32-اقبال، علامہ محمد، تجدید فکریات اسلام، مترجم: عشرت، وحید، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، (2002ء)، ص21

Iqbal, Alamah Muhammad, Tğdīd fikriyat'I Islam, Mutrajim: Išrat, Wahīd, Lahūr:Iqbal Acīadmā Pakistan,(2002) i□211